شاعر احرار، حضرت علامہ انور صابری رحمۃ اللہ علیہ (انڈیا)

کمالات علمیہ و سیاسیہ کا پیکر

امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی کے ساتھ تقریباً ۲۵ سال اس طرح سے گزرے کہ مسلک و مذہب کے ساتھ ساتھ سیاسی جدوجہد میں بھی مکمل ہم آہنگی نصیب رہی۔ میں ۱۹۳۰ء میں پہلی بار ان سے جمیعتہ علماء کانفرنس اودھ میں ملا تھا۔ اس وقت ان کی گرفتاری کے وارنٹ جاری ہو چکے تھے۔ اور وہ پورے ملک کا دورہ کرنے کا عہد کر کے پنجاب سے چلے تھے۔ کانگریس میں غیر مشروط شرکت کی تجویز زیر بحث تھی۔ مولانا سید مرتضیٰ حسن چاند پوری اس گروہ کے ہم نوا تھے جو ہندوؤں کے شانہ بشانہ اشتراک ہی کو مناسب نہ سمجھتے تھے۔ دو دن تک اپنے اپنے نقطہ نگاہ کی وضاحت میں علماء کی تقاریر ہوئیں اور شبانہ روز غور و فکر کے بعد اصل تجویز کا مسودہ ترتیب دیا گیا۔

استبداد فرنگ اس اجلاس کو اپنے مفاد کے خلاف بغاوت سے تعبیر کرتا تھا۔ اُس نے پورے جابرانہ جاہ و جلال کا مظاہرہ کیا۔ فوجی طاقت کی نمائش کی گئی۔ موت و حیات کی کشمکش بروئے کار آئی۔ جلسہ عام کی صدارت کا مسئلہ سامنے آیا تو اکثر بزرگوں کی طبیعتوں میں اضمحلال کے آثار پائے گئے۔ آخر شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ کے بستان زلف محبت کی تقریر نے گریبان کھولے اور مولانا مسند پر صدارت جلوہ افروز محبت ہوئے۔ مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمن نے تجویز پیش کی۔ تائید کے لئے شیر نیشان رسول بخاری اٹھے کئی گھنٹے انہوں نے وضاحت مقصد میں صرف کئے۔ اوقات نماز کے علاوہ عوام کا بیخود و سرمست اجتماع تھا اور صدارت و تقریر تائید حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو نواسوں کے سپرد تھی۔

حضرت مولانا مدنی کی چشم مبارک میں جو سرور آمدن دیکھا گیا۔ پھر کبھی نصیب نہ ہوا۔ ارباب حال محسوس کرتے تھے کہ اودھ سے مدینہ تک درمیانی فاصلے باقی نہیں ہیں۔ جبر استعمار کے خلاف مجاہدانہ ماحول تیار ہو گیا۔ عطاء اللہ شاہ کی زبان سے الفاظ نہیں شعلے برس رہے تھے۔ ان کی طباشیری آنکھیں بادہ آشایان کوثر و تسنیم کی طرح گہری سرخ تھیں۔ سننے والوں کی روحوں کا حال کچھ نہ پوچھئے۔ ہر لب پر صدائے تحسین اور ہر آنکھ میں اشک ایمان تھے۔

مبارک تجویز۔ مبارک صورت۔ مبارک تحریک اور مبارک تائید کے بعد بالاتفاق منظور ہوئی۔ سی۔ آئی۔ ڈی کے ذمہ دار افسران پنڈال کے چاروں طرف تاک میں تھے۔ لیکن فرزند اسد اللہ، بخاری سب کی آنکھوں میں دھول جھونک کر نکل گیا۔ ڈولی کا پہلے سے انتظام تھا۔ حکیم حسن مثنیٰ صاحب نے قابل داد انداز میں یہ سب کچھ کیا۔ پردہ دار ڈولی میں شاہ جی نور پور اسٹیشن تک تشریف لے گئے۔ وہاں سے مراد آباد کی گاڑی میں سوار ہوئے اور بہار تک اعلائے کلمۃ الحق فرماتے گئے۔

ان کی تقریر نہ تھی۔ ساحرانہ فنکاری کا مخلصانہ گہوارہ تھی۔ مجھے ان سے عشق ہو گیا۔ اور میں نے طے کر لیا کہ اب انہیں کے نقش قدم پر چل کر ملک و ملت کی خدمت میرا فرض ہو گا۔ چنانچہ سترہ سال اسی سفر حیات میں گزرے میرے شاعرانہ ذوق کی پرورد گی کا اولین شرف بھی انہیں سے وابستہ رہا۔ نفس میں پاکیزگی، احساس اور شعور میں پختگی بخاری ہی کی رہین منت ہے۔

بار بار ان سے ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ حلقۂ احرار کی تاریخ اگر مرتب کی جائے تو اس کی مجموعی قربانی کا نام سید عطاء اللہ شاہ بخاری ہو گا؟۔ ورکنگ کمیٹی کی میٹنگ ہو یا کوئی کانفرنس کچھ نہ کچھ وقت شاہ جی ہم کفش برداروں کے لئے ضرور نکال لیتے تھے۔

نواب زادہ نصر اللہ خاں، عبد الرحیم عاجز، آغا شورش کاشمیری شعر و ادب کی فضا پیدا کرتے تھے۔ میں بھی اپنی بے بضاعتی کے باوجود نذرانۂ شعر و سخن سے گریز نہ کرتا تھا۔ حضرت شاہ جی پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی کفایت قرآن تفہیم دین اور اسرار سیاست سے واقفیت تامہ کے ساتھ ادب و فن پر بھی ان کی گہری نگاہ تھی۔ محاسن و معائب دونوں پر عبور حاصل تھا۔

پشاور، گوجرانوالہ، لاہور، لائل پور (فیصل آباد)، امرتسر، لدھیانہ، سہارن پور، مراد آباد، لکھنؤ، کانپور، جونپور، علی گڑھ اور دلی کی احرار کانفرنسوں میں کئی کئی راتیں ایسی گزریں جن میں فقر و استغناء کی مکمل پاس داری شامل حال رہی۔ اور عشاء کے بعد سے صبح کی نماز تک مسائل در مسائل پر درس حیات ملتا رہا۔ ان کو اپنے ہزاروں فدائیوں کے نام حلیے اور پتے یاد رہتے تھے۔ ہر شخص کے مزاج میں دسترس تھی۔ جو جس طبیعت کا تھا۔ اس سے اسی کے مناسب احوال مذاق جاری رہتا تھا۔ قدرت نے صدیوں کی تیاری کے بعد انہیں کئی کمالات علمیہ و سیاسیہ سے نواز کر پیدا کیا تھا۔ کلام اللہ کی حکمتوں کو یوں سمجھتے تھے گویا مشکوٰۃ نبوۃ سے تنویر صرف انہیں براہ راست ملی ہے۔ احرار کے دماغوں میں حکومتِ الٰہیہ کا مفہوم انہوں نے ہی بھرا۔ اور بلالحاظ مذہب و ملت ہر انسان کی خدمت کو احرار کا نصب العین بنا کر انسانیت کی وہ خدمت انجام دی جسے کبھی بھلایا نہ جاسکے گا۔ بلند مرتبہ اجتہادی شان اور مقبولیت عوام کے اونچے معیار کے باوجود عجز و انکسار کا دامن سنبھالے وہ درویشانہ زندگی بسر کرتے رہے۔ دنیا کی کوئی نقرئی فریب کاری انہیں متاثر نہ کر سکی۔

آزادئ وطن کے حصول اور ختم نبوت کی حفاظت کے لئے جو شاہراہ کار انہوں نے متعین کر لی تھی آخری سانس تک اسے نباہتے رہے۔

حضرت علامہ انور شاہ سے تقدس و فراست، مولانا مدنی سے جرأت گفتار و کردار، اور فخر اکابر حضرت مولانا شاہ عبد القادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ سے تزکیہ قلب اور تصفیہ روح کی جس قدر وافر سعادتیں ان کے حصہ میں آئیں وہ ان سب امانتوں کے سچے نگہدار اور ثابت قدم پاسبان رہے۔

سیاست جب کسی نازک موڑ پر پہنچی تو ارباب سیاست کی مشکلوں کا حل انہوں نے ہی تلاش کیا۔ قید و بند کی فضائیں نصیب ہوئیں۔ تو وہاں بھی ہونٹوں کا تبسم اور چہرہ کی بشاشت کبھی کم نہیں ہوئی۔

میری اور ان کی آخری ملاقات اس وقت ہوئی جب پاکستان بنے کئی سال گزر چکے تھے۔ اور وہ ملتان میں ایک پرانے مٹی کے گھروندے کو حقیر فقیر سمجھ کر قیام پذیر تھے۔ فالج کا اثر کافی تھا۔ میری آواز سن کر بیتاب ہوگئے اور دیر تک گلے لگائے روتے رہے۔ فرمانے لگے۔

"میری جان تو کب آیا ہے صدیوں کے بعد مل رہا ہے۔ تیرے دیکھنے کی حسرت تھی۔ خدا نے پوری کر دی۔ افسوس ملکوں کے ساتھ روحیں بھی تقسیم ہوگئیں"۔

میں نے چند تازہ غزلیں سنائیں۔ انکی مقدس پلکوں پر تاثر کے بیش بہا موتی رقص کرتے رہے۔ میری دل کی تکلیف کا حال معلوم ہوا تو فرمانے لگے۔

"آفتاب کو رو چکا۔ کوثر قریشی کا غم ابھی تک تازہ ہے۔ کمبخت، علاج سے غافل نہ رہنا۔ اگر تو بھی ان کو مفارقت دے گیا تو پھر قیامت ٹوٹے گی"۔

میں نے عرض کیا قبلہ، زندگی کی ضرورت تو آپ کے لئے ہے جس کی زندگی لاکھوں مردہ دلوں کو زندگی بخشتی ہے۔

مجھے کیا خبر تھی کہ یہ ملاقات بالکل آخری ملاقات ہوگی۔ "اب شیون و فریاد" کے سوا کوئی شعلہ حیات نہیں۔ ایک نظم نہیں ہزاروں نظمیں ان کے مرقد مبارک پر حاضر ہو کر نذر کرنا چاہتا ہوں مگر خدا کی قسم ہوش و حواس جواب دے چکے ہیں۔ برادر عزیز عطاء المنعم کو تعزیتی خط لکھوں تو کیوں کر لکھوں۔ زندہ جاوید شاہ جی کو مردہ کیسے کہوں"؟ (بربادِ غم، انور صابری)

ان کی پاکیزہ نورانی صورت ان کی پاکیزہ سیرت کی ترجمان تھی ۔ **مولانا قاری محمد طیب** قاسمی۔

ان کی موت سے علماء کی صف میں پیدا ہونے والا خلا مدتوں پر نہ ہوگا

مولانا **مفتی محمد شفیع** (مفتی اعظم پاکستان)

ایک ایسی شخصیت جس نے ایسا کام کیا جو ایک صدی میں ایک ادارے سے بمشکل ہو سکے

مولانا سید محمد یوسف بنوری

ان کو حق تعالیٰ نے وہ ملکہ عطا فرمایا تھا کہ جس بات کو بیان کرنا چاہتے سننے والے کے دل میں اتار دیتے

فقیہ العصر **مفتی جمیل احمد تھانوی**

شاہ جی امیرِ جہاد ہیں۔ **مولانا محمد ابراھیم میر سیالکوٹی**

حضرت شاہ جی، جو دینی مآثر، بالخصوص قادیانیت کی گمراہی سے لوگوں کو نکالنے کو چھوڑ گئے ہیں۔ اُن کے صدقاتِ جاریہ اور دائمی ثواب ہیں۔ **شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا** (سہارنپور)